© rasailojaraid.com

آزادی اظہار اور تاریخ اسلام

ڈاکٹر محمد حماد لکھوی*

آزادی فکر و عمل کا حصول انسان کی فطری خواہش ہے۔ تاریخ انسانی کے بڑے بڑے انقلابات کم و بیش اسی ایک خواہش انسانی کا پرتو نظر آتے ہیں۔ حصول آزادی کے لیے ہر دور میں ہی مختلف طبقات انسانی کی ایک باہمی چپقلش چلی آرہی ہے۔ غلامی اور جبر و استبداد سے نجات حاصل کرنے کے لیے، خیالات و افکار پر لگائی جانے والی قدغنوں کو ختم کرنے کے لیے، نئی سوچوں کی ترویج کے لیے اور اظہار رائے کی آزادی کے لیے انسان ہمیشہ اپنے جیسے انسانوں سے نبرد آزما رہا ہے۔ اپنی رائے، سوچ اور فکر آزاد رکھنے کے لیے اس جنگ کی تاریخ بہت پرانی ہے۔ وقت کی کوئی بھی طاقت انسان کے دل و دماغ میں پیدا ہونے والے خیالات اور ان کے اظہار پر پابندی نہیں لگا سکتی۔ زندگی اور اس کے مسائل کو حل کرنے کے لیے آدمی کے دماغ میں سوچ و بچار کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ جاری رہتا ہے اور اس سوچ و بچار پر پابندی لگانا کسی کے بس کی بات نہیں لیکن آدمی کے سامنے زندگی کی سب سے بڑی مشکل اس وقت پیش آتی ہے جب وہ اپنے خیالات کو دوسروں تک پہنچانا چاہتا ہے اور اپنے افکار کے اظہار کے لیے بے تاب ہو جاتا ہے۔ جب وہ اپنے خیالات کا اظہار کرتا ہے تو محسوس کرتا ہے کہ معاشرہ بسا اوقات ان خیالات کو دبانے کی بھرپور کوشش کرتا ہے اور انسان پر یہ پابندیاں عائد کرتا ہے کہ وہ یا تو اپنے خیالات سے دستبردار ہو جائے اور خاموش رہے، یا پھر اس کی قیمت ادا کرنے کے لیے تیار رہے۔ چنانچہ جو لوگ فطرت سے غیر معمولی دل و دماغ اور بلند کردار لے کر آتے ہیں، وہ وقت کے مزاج کا خیال کیے بغیر اپنے معاشرے، قوم اور ملت کو اپنے افکار سے آگاہ کرتے ہیں اور اس راہ میں آنے والی ہر مشکل کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار رہتے ہیں۔ انہی اولوالعزم انسانوں کے نعرہ ہائے آزادی سے موجودہ انسان کو یہ حق ملا ہے کہ وہ دنیا کے بیشتر ممالک میں بے خوف و خطر اپنی رائے کا اظہار کر سکتا ہے۔ یونانی فلسفی سقراط پر یہ الزام لگایا گیا تھا

---

* لیکچرار، شعبہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی لاہور۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ وہ نوجوانوں کے خیالات اور اخلاق بگاڑ رہا ہے۔ اس لیے اسے تعلیم سے دستبردار ہو جانا چاہیے یا پھر اسے سزا بھگتنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ لیکن ستر سالہ بوڑھے سقراط نے وہی راہ اختیار کی جو بلند کردار انسانوں کی راہ ہے۔ سقراط نے عدالت سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ نیکی روپے سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ نیکی سے روپیہ اور ہر وہ چیز جو انسانوں کے لیے اچھی ہے خواہ وہ ذاتی ہو یا عمومی، حاصل ہوتی ہے۔ یہ ہے میری تعلیم۔ اگر یہ تعلیم نوجوانوں کو بگاڑتی ہے تو واقعی میں فتنہ پرداز آدمی ہوں۔ سقراط نے مزید کہا کہ اے اہل ایتھنز! میں یہ بحث اپنے لیے نہیں کر رہا جیسا کہ تم سمجھ رہے ہو۔ بلکہ صرف تمہاری خاطر، تا کہ تم مجھ کو، جو تمہارے لیے عطیہ خداوندی ہے، سزا دے کر گنہگار نہ بنو کیونکہ اگر تم نے مجھے قتل کر دیا تو تمہیں میرا کوئی جانشین نہیں ملے گا۔ سقراط کو اس تنبیہ کے باوجود سزائے موت کے لیے زہر کا پیالہ پلا دیا گیا۔ باوجود اس کے کہ سقراط کے دوستوں نے جیل سے فرار کا منصوبہ بنا لیا تھا، سقراط نے فرار ہونے سے انکار کر دیا اور کہا کہ جو قانون آج تک میری حفاظت کرتا رہا اس سے میں فرار حاصل نہیں کر سکتا۔ اور ہنسی خوشی زہر کا پیالہ پی گیا۔[1] اس طرح اس نے حریت فکر اور اظہار رائے کی آزادی انسان کی خاطر اپنی جان قربان کر دی۔ سقراط کے بعد ہر دور میں اظہار رائے کی آوازیں اٹھتی رہیں۔ اس سلسلہ میں سب سے زوردار اور موثر آواز مکہ معظمہ میں سنی گئی۔

محسن انسانیت رسول اللہ ﷺ کی آواز کو آپؐ کے مخالفین طاقت کے بل پر دبانا چاہتے تھے۔ اس کے لیے طرح طرح کے جتن کیئے گئے۔ آخر میں یہ مخالفین رسول کریم ﷺ کے چچا ابو طالب کے پاس پہنچے۔ ابو طالب نے حالات کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے از راہ تلطف رسول کریمؐ سے کہا کہ ”مجھ پر اور اپنے اوپر رحم کیجئے اور مجھ پر اس سلسلہ میں میری بساط سے زیادہ بوجھ نہ ڈالیے“۔ رسول کریمؐ نے جواب میں فرمایا ”چچا جان! بخدا، اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ پر سورج رکھ دیں اور بائیں ہاتھ پر چاند، تا کہ میں اس دعوت کو چھوڑ دوں، میں اسے ترک نہیں کروں گا۔ یہاں تک کہ خدا اس دعوت کا بول بالا کر دے یا میں اس راہ میں جان دے دوں“۔[2]

آپؐ کی ہستی وہ ذات اقدس ہے کہ جس نے تحریک اسلامی کی بنیاد ڈالی اور ظلم و تشدد کی دہکتی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھٹی میں مسلسل کئی برسوں تک محض اس لیے اذیت برداشت کرتی رہی کہ اس نے زمانے میں مروجہ فرسودہ خیالات وافکار کی بجائے لوگوں کی فکر کو ایک نئی جہت عطا کرنا تھی اور تفکر حقیقی کی طرف مائل کرنا تھا۔لوگوں کے دل ودماغ میں ایک ایسی قوت پیدا کرنا تھی جس سے وہ اپنی سوچ ،فکر اور اظہار رائے کی آزادی کا تحفظ کرسکیں۔لہٰذا اس نے لوگوں میں اپنے اس حق کا احساس بیدار کرنے کے ساتھ ساتھ خود بھی جابر قوتوں کے سامنے کلمہ حق پر ڈٹ کر اس بات کا عملی ثبوت دیا کہ حریت فکر وعمل اسلام کا طرۂ امتیاز ہے۔فرمان رسولؐ ہے۔

''افضل الجهاد كلمة حق عند سلطان جائر''۔[3]

بہترین جہاد جابر سلطان کے سامنے کلمہ حق کہنا ہے۔

حریت فکر اور اظہار رائے کی پاداش میں نبی کریمؐ پر جو ظلم وتشدد روا رکھا گیا اور جس طرح آپ کو مختلف ایذائیں پہنچائی گئیں وہ تاریخ انسانی کا ایک دردناک باب ہے۔ظلم وجبر اور زباں بندی کے اس طوفان بدتمیزی کے سامنے نبی اکرم کی ذات گرامی کوہ گراں نظر آتی ہے۔خود رسول اکرمؐ نے اپنے اوپر ڈھائے جانے والے مظالم کے بارے میں فرمایا کہ ''اللہ کی راہ میں مجھے ڈرانے اور دھمکانے کے لیے وہ کچھ کیا گیا جو کسی دوسرے کے لیے نہیں کیا گیا۔اللہ کی راہ میں مجھے اتنا دکھ دیا گیا جو کسی دوسرے کو نہیں دیا گیا اور مجھ پر تیس دن رات (مسلسل) ایسے گزرے ہیں کہ میرے اور بلالؓ کے لیے کوئی ایسا کھانا مہیا نہیں کیا جاسکا جسے جاندار کھاتے ہوں بجز اس شے کے جسے (چھوٹی سی پوٹلی بنا کر) بلالؓ اپنی بغل میں دبالیتے تھے۔[4] جہالت وگمراہی کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں گھری ہوئی انسانیت کو فکر صحیح کی روشنی عطا کرنے کی کوشش ہی وہ جرم تھا کہ آپؐ پر بے شمار مصیبتیں اور تکالیف مسلط کردی گئیں۔آپ کی پوری زندگی بالعموم اور خصوصاً مکی زندگی کے تیرہ سالوں کا ایک ایک لمحہ ذہنی و جسمانی کرب میں گزرا۔یہ سب کچھ صرف اس لیے تھا کہ آپؐ نے کفار کے غلط افکار کا ابطال کیا اور ان کو وحی پر مبنی خالص فکر کی دعوت کے لیے اپنی رائے کا پرخلوص اظہار کیا۔ان تمام مظالم اور رکاوٹوں کے باوجود تاریخ انسانی میں حریت فکر کے سب سے بڑے مجاہد اور داعی کے پائے ثبات میں ہلکی سی لغزش تک نہ آئی اور وہ عزم واستقلال کا کوہ گراں بن کر فلاح انسانی کے لیے اتنا عظیم کام سرانجام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دے گیا کہ قیامت تک کے لیے اس کے نتائج وثمرات سے انسانیت فائدہ حاصل کرتی رہے گی۔

نبی اکرمؐ کی اولوالعزمی اور اپنی فکر کے ساتھ مکمل وابستگی کے جرم میں اور فکر صحیح کا راستہ روکنے کے لیے کفار نے جو مظالم اس صاحب حریت فکر پر ڈھائے ان کا تذکرہ کرتے ہوئے نعیم صدیقی تحریر کرتے ہیں کہ ''استہزاء'' القاب طرازی اور گالم گلوچ کی یہ مہم قریش کے جنون او رمخالفت کے تیز ہونے کے ساتھ ساتھ غنڈہ گردی کا رنگ اختیار کرتی جا رہی تھی۔ منفی شرارت کے علمبر دار جب تضحیک ودشنام کو ناکام ہوتے ہوئے دیکھتے ہیں تو ان کا اگلا قدم ہمیشہ غنڈہ گردی ہوتا ہے۔ مکہ والوں نے آنحضرتؐ کو زچ کرنے کے لیے وہ حرکتیں کی ہیں کہ صاحب رسالت کے علاوہ کوئی اور داعی ہوتا تو بڑی سے بڑی اولوالعزمی کے باوجود اس کی ہمیت ٹوٹ جاتی اور وہ قوم سے مایوس ہوکر بیٹھ جاتا۔ لیکن رسول خداؐ کی شرافت اور سنجیدگی، غنڈہ گردی کے چڑھتے ہوئے دریا میں سے بھی پاکئی دامن کو کنول کی طرح صحیح سلامت لیے آگے ہی آگے بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ حرکات جو روز مرہ کا معمول بن گئی تھیں کہ آپؐ کے محلہ دار پڑوسی جو کہ بڑے بڑے سردار تھے، بڑے اہتمام سے آپ کے راستے میں کانٹے بچھاتے تھے، نماز پڑھتے وقت شور مچاتے اور ہنسی اڑاتے، عین حالت سجدہ میں اوجھڑیاں لاکے ڈالتے، چادر کو لپیٹ لپیٹ کر گلا گھونٹتے، محلے کے لونڈوں کو پیچھے لگا دیتے کہ تالیاں پیٹیں اور غوغا کریں۔ قرآن پڑھنے کی حالت میں آپ کو، قرآن کو اور خدا تعالیٰ کو گالیاں دیتے۔ اس سلسلے میں ابولہب کے ساتھ بیگم ابولہب پیش پیش تھی۔ وہ بلاناغہ کئی سال تک آپؐ کے راستے میں غلاظت اور کوڑا کرکٹ اور کانٹے جمع کر کر کے ڈالا کرتی تھی۔ اور آنحضورؐ بڑی محنت سے راستہ صاف کرتے۔ آپ کو اس کم بخت نے اتنا پریشان رکھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی تسکین کے لیے خوشخبری سنائی کی مخالف محاذ کی اس لیڈرہ کے شوہر نامدار کے ایذا رساں ہاتھ ٹوٹ جانے والے ہیں اور خود بھی دوزخ کے حوالے ہونے والی ہیں۔ [5]

رسول اکرمؐ پر ڈھائے جانے والے مظالم دراصل اس جبر کے نظام کا حصہ تھے جو زمین پر انسانیت کے آغاز کے جلد ہی بعد بادشاہت کی صورت میں قائم ہو گیا تھا۔ تمام آباد دنیا کچھ بادشاہوں کے زیر قبضہ آ گئی۔ ان بادشاہوں نے اپنے اقتدار کو مستحکم بنانے کے لیے کامل جبر کا نظام اختیار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرلیا۔اس طرح ساری دنیا میں آزادانہ فکر اور آزادانہ اظہار خیال کا خاتمہ ہو گیا۔تمام لوگ لگے بندھے نظام جبر کے علاوہ کچھ اور سننے تک کے عادی نہ رہے۔حق بات کہنے والوں کی زبان بندی دنیا کا دستور بن گئی۔یہی جبر کا نظام ہے جس نے تمام انبیاء کی دعوت کی راہ میں طرح طرح کی رکاوٹیں کھڑی کیں اور ان کی آواز کو دبانے کے لیے ہر دور میں سرتوڑ کوششیں ہوئیں۔جب آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اس دنیا میں تشریف لائے تو آپ کو نبوت عامہ کے علاوہ یہ خاص کام بھی سونپا گیا کہ وہ دنیا میں قائم شدہ جبر کے نظام کو توڑ ڈالیں۔اس کے لیے انہیں خصوصی طور پر ضروری ہدایات فراہم کی گئیں۔چنانچہ آپؐ نے اور آپ کے ساتھیوں نے سو سال سے بھی کم عرصہ میں ساری دنیا میں یا تو شاہی جبر کے اداروں کو توڑ دیا۔یا اس کی بنیادیں اتنی کمزور کر دیں کہ اپنے وقت پر وہ خود ہی ملیا میٹ ہو گئے۔اس سلسلہ میں رسول اللہؐ اور اصحاب رسولؐ نے جو جہاد کیا وہ اپنی حقیقت کے اعتبار سے ایک قسم کا خدائی اپریشن تھا جس کا مقصد یہ تھا کہ جبر کے مصنوعی نظام کو توڑ کر آزادی فکر کے فطری نظام کو قائم کرلیا جائے تا کہ انسان کے لیے ہر قسم کی دینی و دنیوی ترقی کا دروازہ کھل جائے۔ایسے جہاد عظیم کا آغاز مصیبتوں پریشانیوں اور تکالیف سے ہی ہونا تھا۔سو ایسا ہی ہوا۔لیکن دوسرے مرحلے میں جب تحریک اسلامی ایک ریاست کی شکل میں مدینہ میں ظاہر ہوئی تو نسبتاً کچھ آسان فضا میسر آئی۔لیکن یہاں بھی عالمی نظام جبر حریت فکر کے ان علمبرداروں کو مٹانے کے لیے مدینہ پر چڑھ آیا۔اللہ تعالی نے یہاں بھی حق کو سرخروئی عطا کی۔مدینے کی اس چھوٹی سی ریاست میں رہتے ہوئے کامل نظام حریت کے لیے کوششیں بدستور جاری تھیں۔اس دوران آنحضورؐ کا اپنے جانثار ساتھیوں کے ساتھ رویہ آپ کی مجموعی جدوجہد کا ایک عکس دکھائی دیتا ہے۔ریاست مدینہ میں یہودی اور دوسرے غیر مسلم بھی رہتے تھے۔جن کو فکر و عمل کی پوری آزادی حاصل تھی کہ وہ اپنے ضمیر کے مطابق جو چاہیں عقیدہ رکھیں۔محض انتظامی امور میں وہ ریاست مدینہ کے ماتحت تھے۔صحابہ کرامؓ بھی اس خداداد ریاست میں اپنے آقاؐ کی موجودگی میں حریت فکر اور اظہار رائے کی بھرپور آزادی رکھتے تھے۔غزوہ بدر کے ابتدائی واقعات میں سے ایک واقعہ ہے کہ رسول اللہ (بدر کی طرف) سفر کرتے ہوئے تیزی سے آگے بڑھ رہے تھے۔آپؐ نے بدر کے قریب ایک چشمہ کے پاس پڑاؤ کیا۔اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وقت خباب بن منذر بن الجموح نے کہا کہ اے اللہ کے رسولؐ! اس مقام پر کیا اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو رکنے کا حکم فرمایا ہے؟ جس میں ہمیں آگے بڑھنے یا پیچھے ہٹنے کا کوئی اختیار نہیں۔ یا کہ یہ ایک رائے ہے اور ایک جنگی تدبیر ہے۔ آپؐ نے فرمایا یہ رائے اور جنگی تدبیر ہے۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہؐ! پھر یہ تو کوئی ٹھہرنے کی مناسب جگہ نہیں ہے۔ آپؐ یہاں سے روانہ ہو کر آگے چلیے۔ ہم لوگ اس چشمے کے پاس اتریں جو قریش کے قریب ہے اور پھر پیچھے جتنے پانی کے گڑھے ہیں ان کو ناکارہ بنا دیں اور وہاں ایک حوض بنا کر اس کو پانی سے بھر لیں۔ پھر ان لوگوں سے جنگ کریں تاکہ ہم پانی پئیں اور وہ نہ پئیں۔ رسول اللہؐ نے یہ سن کر فرمایا کہ تم نے بہت ٹھیک رائے دی۔ اس کے بعد رسول اکرمؐ اور آپؐ کے سب ساتھی اٹھ کر چل پڑے۔ یہاں تک کہ جب قریش کے قریب ترین چشمہ کے قریب پہنچے تو وہاں اتر گئے۔ پھر دوسرے چشمے آپؐ کے حکم سے ناکارہ کر دیئے گئے۔ جس چشمہ پر آپؐ اترے تھے اس پر حوض بنا کر اس کو پانی سے بھر لیا گیا۔؎٦

اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ نبی کریمؐ کی مجلس میں اظہار رائے کا کھلا ماحول ہوتا تھا۔ ایک شخص نے جب آپؐ کی رائے سے اختلاف کیا تو اس کو برا نہیں سمجھا گیا اور نہ اس پر غصے کا اظہار کیا گیا۔ اس کے برعکس صرف یہ پوچھا گیا کہ تمہاری رائے مختلف کیوں ہے؟ جب اس نے وضاحت کی تو معلوم ہوا کہ اس کی رائے درست تھی۔ چنانچہ اس کی تعریف کی گئی اور فوراً اس کو قبول کر لیا گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ لوگوں کو اختلاف رائے کا موقع دینا اور اس کو سن کر اس سے فائدہ اٹھانا بھی نبی اکرمؐ کی سنت ہے۔

دورِ نبویؐ کی حریت فکر و عمل کی ایک عمدہ مثال مدینہ میں غلام طبقہ سے تعلق رکھنے والے ایک میاں بیوی کا واقع ہے۔ مرد کا نام مغیثؓ اور عورت کا نام بریرہؓ تھا۔ ان دونوں نے اسلام قبول کر لیا۔ ایک عرصہ کے بعد خاتون آزاد ہو گئیں۔ آزادی کے بعد از روئے قاعدہ ان کو اختیار مل گیا کہ خواہ وہ سابقہ شوہر کے ساتھ رہیں یا اس سے علیحدگی اختیار کر لیں۔ بریرہؓ نے علیحدگی کا فیصلہ کر لیا۔ مگر مغیثؓ کو اس خاتون سے بہت زیادہ محبت اور لگاؤ تھا اس لیے وہ چاہتے تھے کہ بریرہ اپنے فیصلہ کو بدل دیں اور ان کے ساتھ رہنے پر راضی ہو جائیں۔ (یہ ایک لمبا قصہ ہے۔ بہرحال خلاصہ یہ ہے کہ)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آخر کار ان کا معاملہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش ہوا۔ جب رسول اللہؐ کے پاس آرہے تھے تو
حالت یہ تھی کہ بریرہؓ آگے آگے تھیں اور مغیثؓ جو کہ سیاہ فام تھے، ان کے پیچھے اس طرح چل رہے تھے کہ آنسوؤں سے ان کی داڑھی کے بال تر ہو گئے تھے۔ رسول اللہؐ نے بریرہؓ کو فرمایا کہ اچھا ہے کہ تم اس کی طرف رجوع کرلو۔ بریرہؓ نے کہا یا رسول اللہ! کیا آپؐ مجھے اس کا حکم دیتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں تو صرف سفارش کر رہا ہوں۔ بریرہؓ نے جواب دیا مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ روایت کے الفاظ اس طرح ہیں:۔

فقال النبی ﷺ لو راجعته۔قالت یا رسول الله تأمرنی۔قال انما انا اشفع۔قالت فلا حاجة لی فیه۔۷

یعنی اتنی دردناک صورتحال کے باوجود آپؐ نے عورت کو فکر و عمل کی آزادی کو پورا حق دیا۔ اسی طرح غزوہ احد کے واقعات میں سے ایک واقعہ بھی حریت فکر کے نبویؐ تصور کا غماز ہے۔ غزوہ احد کے موقع پر نبی اکرمؐ کا خیال تھا کہ مدینہ میں رہ کر جنگ کی جائے اور شہر چھوڑنے کو آپؐ نے پسند نہ فرمایا۔ لیکن کچھ نوجوان صحابہ نے شہر کے باہر جا کر لڑنے پر ان الفاظ میں زور دیا کہ اے اللہ کے رسولؐ! ہمیں ہمارے دشمنوں کے پاس لے چلیں۔ کہیں وہ یہ نہ سوچیں کہ ہم کمزور تھے اور لڑنے کی صلاحیت نہ رکھتے تھے۔ آپؐ نے اپنی رائے اور اپنے دوسرے ساتھیوں کی رائے پر اس کو ترجیح دی۔۸

اظہار رائے کی آزادی کا ایک اہم واقعہ کھجور کے درختوں کی پیوند کاری کا ہے۔ کچھ لوگ پیوند کاری کر رہے تھے۔ آپؐ نے لوگوں سے پوچھا کہ کیا کر رہے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم کھجور کے درختوں کو یونہی (پیوند کاری) کرتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا اگر تم یوں نہ کرو تو زیادہ بہتر ہوگا۔ ان لوگوں نے ایسا ہی کیا لیکن اس سال کھجور کی فصل خراب ہوگئی۔ لوگوں نے اس کا تذکرہ آپؐ سے کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ:۔

''اذا کان شیئاً من امر دنیاکم فشأنکم به و اذا کان شیئاً من امر دینکم فالیّ''۔۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اگر میں دین کے متعلق تمہیں کوئی حکم دوں تو اسے قبول کرو اور اگر کوئی حکم میں تمہیں اپنی رائے سے دوں تو میری رائے کو ایک عام انسان کی رائے سمجھو (یعنی کسی کی رائے میری رائے سے بہتر بھی ہوسکتی ہے)

رسول اللہؐ جب مدینہ تشریف لائے تو آپؐ نے وہاں کے یہودیوں کے ساتھ معاملات طے کرنے اور مسلمانوں کے باہمی معاملات کے لیے ایک معاہدہ ''میثاق مدینہ'' کیا تھا۔ جسے دنیا کا پہلا تحریری دستور کہا جاتا ہے۔ اس معاہدے کے مطابق مدینہ کے یہودیوں کو وہی آزادی ایمان اور آزادی اظہار عطا کی گئی جو شہر مدینہ کے مسلمانوں کو حاصل تھی۔ ۱۰؎ اور اس چیز کی ضمانت اللہ اور اس کے رسولؐ نے مکمل انصاف کے ساتھ اور بغیر جانبداری کے دی۔ اس معاہدے کی دفعہ ۲۵ کی رو سے غیر مسلموں کی حریت فکر و عمل کی وضاحت (اس طرح سے) کی گئی تھی کہ ''یہودیوں اور مسلمانوں کو مدینہ میں ایک ہی گروہ (امت) تسلیم کیا گیا۔ ان کے برابر حقوق تسلیم کیے گئے نیز یہ کہ ہر گروہ اپنے مذہب پر معاہدے کی دفعات ۲۵ تا ۳۵ کے مطابق عمل کرنے میں آزاد ہوگا۔ اور اسی طرح بنوعوف (اور معاہدے میں مذکورہ دیگر یہودی قبائل) بھی مسلمانوں کے ساتھ ایک گروہ میں شمار ہونگے۔ لیکن جو بھی معاہدے کی خلاف ورزی کرے گا یا اس کو توڑے گا، اس کو اور اس کے اہل خانہ کو نتائج کا سامنا کرنا پڑیگا۔ ۱۱؎

نبی اکرمؐ کے زمانے میں جو دوسرے گروہ اور قومیں ریاست مدینہ کے زیر اقتدار آئیں ان کے ساتھ بھی یہی معاہدہ کیا گیا۔ نبی کریمؐ نے فرمایا کہ ''نجران (کے عیسائیوں) اور دوسرے علاقوں کے رہنے والوں کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ان کی جان و مال اور مذہب کی حفاظت کا وعدہ ہے۔ جو حاضر ہیں یا نہیں ہیں، ان کے مذہبی معاملات اور شعار میں مداخلت نہ کی جائے گی۔ نہ ان کے حقوق میں کمی بیشی کی جائے گی۔ وہ ہر چھوٹی بڑی چیز سے یکساں فائدہ اٹھاسکیں گے۔ نہ وہ ظلم کریں گے نہ ان پر ظلم کیا جائے گا'' ۱۲؎

فتح مکہ کے موقع پر مکہ پر چڑھائی کے وقت سعدؓ بن عبادہ نے قریش کے بارے میں انتہائی جذباتی الفاظ کہے۔ مثلاً آج دست بدست لڑائی ہوگی اور آج کعبہ ہمارا ہوگا وغیرہ۔ حالانکہ رسول اللہؐ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے لڑائی سے منع فرمایا تھا اور بغیر جنگ کے مکہ فتح کرنے کا حکم فرمایا تھا۔ ایسے حالات میں یہ الفاظ تباہ کن ہو سکتے تھے۔ مگر آپؐ نے سعدؓ کو کچھ نہیں کہا بلکہ اس کے بیٹے سے کہا کہ وہ جھنڈا سنبھالے اور قیادت کرے۔ ۱۳؎

رسول اکرمؐ کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ نے آزادی رائے سے متعلق نبی کریمؐ کی پالیسی کو جوں کا توں برقرار رکھا اور کسی کو آزادی فکر اور آزادی اظہار سے محروم کرنے کی قطعاً کوئی کوشش نہیں کی ۔جب آپؓ کو خلیفہ منتخب کیا گیا تو اس موقع پر آپؓ نے جو تقریر کی وہ آپؓ کے دستور حکومت کا درجہ رکھتی ہے۔ آپؓ نے فرمایا کہ ''تم نے مجھے اپنا خلیفہ بنایا ہے اگرچہ میں تم میں سے سب سے زیادہ اہل نہیں ہوں۔ میں صحیح کام کروں تو میرے ساتھ تعاون کرنا۔ جب میں غلطی کروں تو میری اصلاح کرنا۔ تمہارے کمزور میرے نزدیک مضبوط و طاقتور ہیں یہاں تک کہ ان کا حق دلوادوں اور تمہارے طاقتور میرے نزدیک کمزور ہیں یہاں تک کہ میں انہیں دوسروں پر ظلم کرنے سے روک دوں''۔ ۱۴؎

ایک دفعہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے حضرت خالدؓ بن ولید کو ہدایات لکھ بھیجیں۔ آپؓ نے لکھا: ایرانیوں اور ایرانی حکومت کے زیر سایہ عوام کے ساتھ نرمی کا سلوک کرو اور اگر کسی پر تمہارے وجہ سے ظلم ہوا تو اس کو بھرپور موقع دو کہ وہ تم سے بدلہ لے لے''۔ ۱۵؎

یعنی صدیق اکبرؓ عوام (مسلم و غیر مسلم) کی آزادی فکر و عمل کا پورا پورا خیال رکھتے تھے۔ صدیقی دور میں عوام کو اجازت دی گئی تھی کہ وہ اپنے گورنروں، انتظامی افسروں اور عمال پر بھرپور تنقید کریں اور جس شخص کے خلاف شکایت درست پائی جاتی، آپؓ اس کے خلاف کاروائی کرتے۔ جب حیرہ وغیرہ کے علاقہ جات فتح ہوئے اور لوگوں نے اطاعت قبول کر لی تو خالد بن ولیدؓ نے وہاں کے عیسائیوں سے ایک معاہدہ کر لیا جس میں انہوں نے عیسائیوں کی زندگی، جان اور مال کی حفاظت کا عہد کیا۔ نیز یہ کہ عیسائیوں کو ناقوس بجانے کی آزادی ہو گی اور وہ تہواروں پر صلیب بھی نکال سکیں گے۔ صدیق اکبرؓ اور آپ کی شوریٰ نے اس معاہدے کو قبول کیا اور اس کی توثیق کی۔ ۱۶؎

حضرت ابو بکر صدیقؓ کے دور میں حریت فکر و عمل کے اظہار کا ایک بڑا دلچسپ واقعہ پیش آیا۔ اقرعؓ بن حابس تمیمی اور عیینہ بن حصن الفزادی کا شمار مؤلفۃ قلوب میں ہوتا تھا۔ رسول اکرمؐ نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حنین کی فتح کے دن ان میں سے ہر ایک کو تالیف قلب کے طور پر سو سو اونٹ دیئے تھے۔ ١٧ روایات میں آتا ہے کہ یہ اونٹ آپؐ نے ان کو شاید قبول اسلام سے قبول دیئے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ کی خلافت کے زمانے میں یہ دونوں صاحبان آپ کے پاس آئے اور صدیق اکبرؓ سے ایک زمین طلب کی۔ حضرت ابو بکرؓ نے رسول اللہؐ کے اسوہ کے پیش نظر وہ زمین ان کو دے دی اور ان کے مطالبہ پر مطلوبہ زمین کے بارے میں ایک تحریر بھی لکھ کر ان کے سپرد کی دی۔ دونوں صاحبان تحریر لے کر جا رہے تھے کہ حضرت عمرؓ سے ملاقات ہوگئی۔ ان دونوں نے بتایا کہ خلیفہ نے فلاں زمین ہمیں عطا کر دی ہے۔ حضرت عمرؓ نے تحریر ان سے لے لی اور اسے پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ عمر فاروقؓ نے کہا کہ رسول اکرمؐ نے اس طرح کی چیز جو تم کو پہلے دی تھی، اس کا مقصد تو لوگوں کو اسلام کی طرف راغب کرنا تھا لیکن اب اسلام کو اللہ تعالیٰ نے عزت و طاقت دے دی ہے اور اس کو تم سے بے نیاز کر دیا ہے۔ تم اسلام پر قائم رہو تو بہت اچھا ہے ورنہ ہمارے اور تمہارے درمیان تلوار ہے۔ دونوں صاحبان واپس دوبارہ صدیق اکبرؓ کے پاس گئے اور سارا قصہ بتا کر کہا کہ خلیفہ آپ ہیں یا عمرؓ۔ حضرت ابو بکرؓ نے کہا اگر وہ چاہیں تو وہی خلیفہ ہیں۔ حضرت ابو بکرؓ نے اس معاملہ میں حضرت عمرؓ سے اتفاق کیا اور صحابہ میں سے کسی نے بھی اس پر اختلاف رائے نہیں کیا۔ ١٨ اس واقعہ میں نہ صرف خلیفہ اول پر تنقید تھی بلکہ بظاہر ان کی توہین بھی تھی۔ مگر یہ واقعہ جب حضرت ابو بکرؓ اور دوسرے صحابہ کے علم میں آیا تو انہوں نے ان ظاہری پہلوؤں کو کوئی اہمیت نہ دی۔ انہوں نے نہ صرف یہ سوچا کہ باعتبار حقیقت حضرت عمرؓ کی رائے درست ہے یا غیر درست۔ اور جب معلوم ہوا کہ اصولاً وہ بالکل درست ہے تو سب نے اسے قبول کیا۔

حضرت عمرؓ بن خطاب جب خلیفہ بنے تو آپ نے بھی آزادی فکر و عمل پر مشتمل منشور حکومت کا اعلان ایک تقریر کی صورت میں کیا جس میں آپؓ نے اپنے دو پیشرؤوں کے نقش قدم پر چلنے کا عزم کیا۔ حضرت عمرؓ اپنی مدت خلافت کے دوران اکثر کہا کرتے تھے کہ میں تمہاری ہی طرح ہوں اور تم لوگوں میں سے ہی ہوں۔ اس لیے تم میرے خلاف جو بات بھی محسوس کرو تو اسے آزادانہ طور پر کہہ سکتے ہو۔ اس معاملہ میں تمہارے اوپر کوئی پابندی نہیں ہے۔ مجھے سب سے زیادہ وہ پسند ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جو میرے عیوب میرے سامنے بیان کر دے۔۱۹

نجران کے عیسائی آئے تو آپ نے اس عہد کی تجدید کی کہ وہ اللہ کی طرف سے امان میں دیئے گئے ہیں اور کوئی شخص انہیں نقصان نہ پہنچائے گا۔ اس عہد کو نبی کریمؐ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کا عہد سمجھا جائے گا۔ ان پر ظلم و زیادتی ہونے کی صورت میں حضرت عمرؓ ان کی مدد کریں گے اور ان پر کسی قسم کا ظلم نہ ہونے، دیا جائے گا۔۲۰

دور فاروقی میں جب بیت المقدس مسلمانوں کے قبضے میں آیا تو حضرت عمر فاروقؓ وہاں کے لوگوں سے معاہدہ کرنے خود بیت المقدس تشریف لے گئے۔ یہ معاہدہ مسلمانوں کی سخاوت، عظمت، حقوق انسانی اور حریت فکر و عمل کے معاملے میں مسلمانوں کی دریا دلی کی ایک عمدہ مثال ہے۔ اس معاہدہ کا خاصہ درج ذیل ہے:۔

''اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان، رحمان و رحیم ہے۔ عمرؓ، جو اللہ کا بندہ اور امیر المومنین ہے، ایلیا کے لوگوں کو حفاظت کی ضمانت دیتا ہے۔ وہ تمام لوگوں کو، چاہے صحت مند ہوں یا مریض، ان کی جانوں، مالوں، گرجا گھروں، صلیبوں اور ان کے مذہب سے متعلق تمام چیزوں کی حفاظت دیتا ہے۔ ان کی عبادت گاہوں کو نہ تو رہائش گاہوں میں تبدیل کیا جائے گا، نہ مسمار کیا جائے گا، نہ گرجا گھروں سے، متعلقہ اثاثوں اور وقف کو اور صلیبوں کو نقصان پہنچایا جائے گا۔ نہ ان کے مذہب کے معاملے میں ان پر کوئی بندش عائد کی جائے گی۔ نہ اہل کلیسا کے کسی فرد کو نقصان پہنچایا جائے گا۔''۲۱

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ خطبہ جمعہ ارشاد فرما رہے تھے۔ جس میں آپؓ نے فرمایا کہ لوگوں کو چاہیے کہ عورتوں کے مہر کی رقم چار سو درہم سے زیادہ مقرر نہ کریں۔ اس پر ایک بوڑھی عورت مجمع میں سے اٹھی اور اس نے کہا کہ جب اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے مہر کی حد مقرر نہیں کی تو آپ حد مقرر کرنے والے کون ہوتے ہیں؟ اس عورت نے قرآن پاک کی یہ آیت بھی تلاوت کی:۔

وَإِنْ أَرَدتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا۔۲۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی لے آنے کا ارادہ کر ہی لو تو اس سے کچھ واپس نہ لو، خواہ تم نے اسے ڈھیر سا مال (قنطار) ہی کیوں نہ دیا ہو۔

حضرت عمرؓ نے اسی وقت مجمع کے سامنے تسلیم کیا اور اعلان کیا کہ بوڑھی عورت درست کہہ رہی ہے اور میری رائے غلط تھی۔ پھر آپؓ نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ امت میں ایسے لوگ موجود ہیں جو مجھے سیدھے راستے پر رکھ سکتے ہیں؟ ۲۳ے

حضرت عمر فاروقؓ نے حقوق کی حفاظت اور انصاف کے نفاذ پر اس قدر زور دیا کہ آپؓ اس سلسلے میں معمولی سی کوتاہی بھی برداشت نہیں کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت ابی بن کعبؓ سے حضرت عمرؓ کا کچھ تنازعہ تھا۔ حضرت ابی بن کعبؓ نے مدینہ کے قاضی حضرت زید بن ثابتؓ کی عدالت میں حضرت عمرؓ کے خلاف مقدمہ درج کرا دیا۔ حضرت عمرؓ مدعا علیہ بن کر پیش ہوئے۔ حضرت زیدؓ نے امیر المومنین کو تعظیم دینا چاہی اور تعظیماً کھڑے ہو گئے۔ آپؓ نے فرمایا کہ یہ تمہاری پہلی بے انصافی ہے۔ یہ کہہ کر آپؓ حضرت ابی کعبؓ کے برابر جا کر بیٹھ گئے۔ حضرت ابیؓ کے پاس کوئی ثبوت نہ تھا اور حضرت عمرؓ نے ان کے دعوے سے انکار کیا۔ دستور کے مطابق مدعی نے مدعا علیہ (حضرت عمرؓ) سے حلف لینا چاہا۔ قاضی (زیدؓ) نے مدعا علیہ (امیر المومنینؓ) کی شخصیت کو دیکھتے ہوئے مدعی سے کہا کہ وہ حلف نہ لے۔ اس جانبداری کو دیکھتے ہوئے حضرت عمرؓ برہم ہو گئے اور قاضی سے کہا ''اگر تمہاری نظر میں عمرؓ اور ایک عام فرد برابر نہیں ہیں تو تم انصاف کے قابل نہیں ہو''۔ ۲۴ے

ایک دن مدینہ کی مسجد کے منبر پر کھڑے ہو کر حضرت عمر فاروقؓ لوگوں کے سامنے خطبہ دے رہے تھے اس دوران انہوں نے کہا کہ میرے اندر اگر تم کوئی ٹیڑھ دیکھو تو اس وقت تم کیا کرو گے۔ کچھ دیر خاموشی رہی۔ اس کے بعد ایک شخص کھڑا ہوا۔ اس نے کہا خدا کی قسم! اگر ہم نے آپ کے اندر کوئی ٹیڑھ دیکھی تو اس کو ہم اپنی تلواروں سے سیدھا کر دیں گے۔ حضرت عمرؓ یہ سن کر خوش ہو گئے اور آپ نے فرمایا کہ اس اللہ کا شکر ہے جس نے مسلمانوں میں ایسے افراد بنائے جو عمر کی ٹیڑھ کو اپنی تلوار سے سیدھا کر دیں گے۔ ۲۵ے

معلوم ہوا کہ اسلام کے اندر تنقید و اختلاف رائے کوئی مبغوض چیز نہیں ہے بلکہ وہ انتہائی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

محبوب چیز ہے۔حتی کہ اگر ایک عام آدمی خلیفہ وقت کے خلاف غیر مئودبانہ انداز میں بھی آزادیء رائے کا اظہار کرے تب بھی اس کو خوش آمدید کہا جائے گا۔

حضرت عثمان غنیؓ کا دور آیا تو انہوں نے بھی ان تمام پالیسوں کو جاری رکھا جو مسلم وغیر مسلم کے شہری حقوق اور آزادی کے سلسلے میں رسول اکرمؐ نے اپنائی تھیں ابو بکرؓ و عمرؓ نے اپنے اپنے دور میں ا نہیں برقرار رکھا تھا۔حضرت عثمانؓ کے دور میں بھی غیر مسلموں کو اپنے مذہبی طریقوں کے مطابق عبادت کرنے کی پوری آزادی حاصل تھی۔علاوہ ازیں عثمان غنیؓ کے دور میں اظہار رائے کی آزادی بھی اس حد تک تھی کہ دور عثمانی کے اواخر میں اسی آزادی اظہار کا غلط استعمال کرتے ہوئے کچھ شر پسند لوگوں نے حضرت عثمانؓ کے خلاف ایک سیاسی تحریک کا آغاز بھی کر دیا۔لیکن آپؓ نے اس سیاسی بے چینی کے حالات میں بھی اپنے طور پر کسی بھی شخص کی آزادی اور حقوق مجروح نہیں ہونے دیئے۔یہی وجہ تھی کہ شر پسند عناصر حریت فکر وعمل کے حاصل شدہ حق کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے آپؓ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور آپ کے خلاف طرح طرح کے الزامات گھڑنے اور مشہور کرنے شروع کر دیئے۔حضرت عثمانؓ نے ان الزامات کے بارے میں اپنی صفائی تو پیش کی لیکن ان شر پسندوں کی زبان بند کرنے کے لیے کوئی مئوثر کاروائی نہیں کی۔نہ صرف یہ کہ آپؓ نے ان کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھایا بلکہ آپؓ نے ان شر پسندوں کا خون بہنے سے بچانے کے لیے اپنی زندگی تک داؤ پر لگادی۔جب آپ کو ان باغیوں کے خلاف مدد دینے کے لیے مختلف صحابہؓ نے پیش کش کی تو آپ نے یہی فرمایا کہ میں اپنی گردن بچانے کے لیے مسلمانوں کا خون بہانا نہیں چاہتا۔اور یہ کہ میرا خیر خواہ وہ ہے جو تلوار نہ اٹھائے۔۲۶ اس طرح آپؓ نے ان شر پسندوں کے ہاتھوں جان دے دی جنہوں نے حریت و آزادی فکر کا غلط مفہوم لیتے ہوئے آپ کے خلاف بغاوت کی اور بالآخر آپؓ کو شہید کر دیا۔

عثمانی دور خلافت سے پہلے کا ایک واقعہ ہے جو کہ حریت فکر کی ایک عمدہ مثال ہے۔حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح ایک دن حضرت عثمانؓ سے بحث کرنے لگے۔انہوں نے کہا میں تین چیزوں میں آپ سے افضل ہوں۔حضرت عثمانؓ نے پوچھا وہ کیا ہیں؟ حضرت ابو عبیدہ نے کہا اول یہ کہ بیعت رضوان کے وقت میں حاضر تھا اور آپ اس وقت غائب تھے۔دوسرے یہ کہ میں غزوہ بدر میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شریک تھا اور آپ نے اس میں شرکت نہیں کی۔ تیسرے یہ کہ غزوہ احد کے موقع پر میں ان لوگوں میں شامل تھا جو ثابت قدم رہے اور آپ اس میں ثابت قدم نہ رہ سکے۔ راوی کہتا ہے کہ حضرت عثمانؓ اس پر بالکل غصے میں نہیں آئے بلکہ بولے کہ آپ نے سچ کہا۔ پھر اپنا عذر بیان کرتے ہوئے عثمان غنیؓ کہنے لگے۔ جہاں تک بیعت رضوان کا معاملہ ہے تو رسول اکرمؐ نے مجھے اپنی حاجت کے تحت مکہ بھیجا تھا۔ اور غزوہ بدر میں جو ہوا وہ یہ تھا کہ رسول اللہؐ نے مجھے اپنی جگہ مدینے میں مقرر فرمایا تھا۔ اور جہاں تک غزوۂ احد میں میری پسپائی کی بات ہے تو اللہ نے مجھے میری اس کوتاہی کے لیے معاف کردیا ہے۔ ۲۷

اس واقعہ میں حضرت عثمانؓ کی ذات پر براہ راست تنقید کی گئی تھی۔ مذکورہ بالا تینوں باتیں بظاہر ان کی شخصیت کو مجروح اور مشتبہ کر رہی تھیں۔ مگر حضرت عثمانؓ نے اتنی سخت بات سن کر بھی غصے اور ناراضگی کا اظہار نہیں کیا۔ بلکہ انہوں نے ٹھنڈے طریقے سے کہا کہ بطور واقعہ آپ کا کہنا درست ہے۔ پھر اس اعتراف کے بعد انہوں نے تینوں واقعات کے بارے میں اپنا نقطہ نظر بیان کیا۔ حضرت عثمانؓ کے اس واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کا طریقہ یہ ہے کہ انتہائی سخت تنقید کرنے والے کو بھی اظہار رائے کی آزادی دی جانی چاہیے اور تنقید کو ٹھنڈے دل سے سنا جانا چاہیے اور اپنے آپ کو اشتعال سے بچاتے ہوئے سادہ طور پر اصل معاملہ کی وضاحت کی جانی چاہیے۔

حضرت عثمانؓ کے دور خلافت کے آخری ایام میں جب باغیوں نے آپ کے گھر کا محاصرہ کرلیا اور مکان سے آپ کے نکلنے پر پابندی لگادی تو آپ کے لیے مسجد جانا ممکن نہ رہا۔ آپ کی عدم موجودگی میں بلوائیوں کا سردار غافقی بن حرب مسجد نبوی میں امام بن گیا اور نمازوں کی امامت شروع کردی۔ مدینہ کے مسلمانوں کے لیے بڑی آزمائش تھی۔ نماز بھی مسجد میں ادا کرنا ضروری سمجھتے تھے لیکن ایک کھلے ہوئے مفسد اور غلط کار کو امام دیکھ کر اس سے گریزاں بھی تھے۔ اس نازک حالت میں ایک وفد حضرت عثمانؓ کے پاس گیا اور پوچھا کہ امیر المومنین! ہم اپنی نمازوں کے متعلق کیا کریں۔ آپؓ نے ہدایت فرمائی کی اس کے پیچھے نماز ادا کرلیا کرو۔ آپؓ نے فرمایا:-

"فاذا احسن الناس فاحسن معهم فاذا اسائو فاجتنب اساء تهم"۔ ۲۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جب وہ لوگ کوئی نیک کام کریں تو اس میں ان کا ساتھ دو اور جب کوئی برا کام کریں تو ان کی برائی سے دور رہو۔

معلوم ہوا کہ اسلام میں اس بات پر بہت زور دیا گیا ہے کہ زبردست مخالفت، دشمنی اور شدید خطرے کے باوجود اظہار رائے میں انصاف کا پہلو ملحوظ رکھا جائے۔

حضرت علیؓ، نبی کریم ﷺ کی سیرت طیبہ کی روشنی اور حکمت اسلام کے مرقع تھے اور یہ چیز آپ نے حضورؐ کے گھر میں تعلیم وتربیت کے دوران حاصل کی تھی۔ آپؓ کی پرورش خود سرور کائناتؐ نے فرمائی تھی اور خود تعلیم دی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپؓ نے قولاً وفعلاً دین اسلام کو مکمل طور پر سمجھا اور انسان کی عظمت اور اس کے عقیدہ وعمل کی آزادی کے حق کو پوری طرح محسوس کیا۔ حضرت علیؓ کے دور میں بڑے فتنے اٹھے۔ امیر معاویہؓ کے ساتھ سیاسی چپقلش بڑی سنگین صورت اختیار کر گئی۔ پھر خارجیوں نے شورش برپا کر دی اور کھلے عام بغاوت کا اعلان کر دیا۔ آپؓ نے ان کا حق تنقید اور حق اظہار رائے برقرار رکھا اور ان کے خلاف کوئی قدم اٹھانے سے حتی المقدور گریز کیا۔ سیاسی گروہ بندی اور کچھ غلط فہمیوں کی وجہ سے بصرہ میں مسلمانوں کا آپس میں شدید اختلاف کی وجہ سے خونیں تصادم ہوا۔ اس موقع پر بھی حضرت علیؓ اپنے مخالفین کے لیے ایسا گمان رکھتے تھے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رائے کا اختلاف کسی بھی صورت میں دل کا اختلاف نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کو اتنی انتہا تک جانا چاہیے۔ جب حضرت علیؓ بصرہ روانہ ہونے لگے تو لوگوں نے آپؓ سے پوچھا کہ آپ کہاں جا رہے ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ میرا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کا اشتعال ختم ہو اور امت میں اتفاق پیدا ہو جائے۔ ایک شخص نے کہا کہ اگر بصرہ والے آپ کی بات نہ مانیں تو آپ کیا کریں گے؟ حضرت علیؓ نے کہا کہ ہم ان کو چھوڑے رہیں گے جب تک وہ ہم کو چھوڑے رہیں۔ کہنے والے نے کہا اگر وہ آپ کو نہ چھوڑیں اور جنگ ہی کرنا چاہیں تو پھر آپ کیا کریں گے۔ حضرت علیؓ نے کیا کہ ہم مدافعت میں لڑیں گے۔ کسی شخص (ابوسلام الدالانی) نے کہا کہ ہمارا اور ان کا کیا حال ہوگا اگر کل کے دن ہمارا ان سے ٹکراؤ ہو گیا۔ حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ میں امید کرتا ہوں کہ ہمارا یا ان کا جو آدمی بھی قتل ہوگا اور اس کا دل پاک صاف ہوگا تو اللہ اس کو ضرور جنت میں داخل کرے گا۔[۲۹]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معلوم ہوا کہ جنگ کی نوبت آ جانے پر بھی مومن کا دل دوسرے کے لیئے صاف رہتا ہے اور وہ اس کے لیے اچھا ہی گمان کرتا ہے۔ خوارج کے خلاف بھی، باوجود ان کی کھلی بغاوت کے، حضرت علیؓ نے کوئی قدم اٹھانے سے گریز ہی کیا۔ سید مودودیؒ تحریر کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے انسانی آزادی کے قانون کی خوب وضاحت کردی ہے۔ آپ کے زمانے میں خارجیوں کی بغاوت نے سر اٹھایا۔ خارجیوں کے خیالات موجودہ زمانے کے انارکسٹوں اور شرپسندوں سے ملتے جلتے تھے۔ آپ نے ان کا حق اظہار تسلیم کیا اور ان کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھایا۔ اس گروہ کے افراد قانون اور ریاست کی کھلے عام خلاف ورزی کرتے تھے اور اسلام میں ریاست کی ضرورت ہی کے منکر تھے اور تلوار کے ذریعے ریاست کو مٹانا چاہتے تھے۔ حضرت علیؓ نے ان کو یہ پیغام بھیجا کہ تم جہاں چاہو رہ سکتے ہو۔ ہمارے درمیان رہنے کی صرف ایک شرط ہے کہ تم لوگوں کا خون نہ بہاؤ گے اور ظالمانہ ہتھکنڈے استعمال نہیں کرو گے۔ ۳۰

خوارج سے متعلق حضرت علیؓ کے اس پیغام کو امام سرخسیؒ نے یوں لکھا ہے ''ہم تم کو مسجدوں میں آنے سے نہیں روکیں گے۔ ہم تمہیں مفتوحہ اموال کے حصے سے محروم نہیں کریں گے۔ جب تک تم ہمارے خلاف کوئی مسلح کاروائی نہ کرو''۔ ۳۱

مذکورہ بالا واقعات حضرت علیؓ کے احترام انسانیت، احترام قانون اور آزادی رائے کے جذبات کی بھرپور عکاسی کرتے ہیں۔

تھامس آرنلڈ (Thomas Arnold) مسلمانوں کی رواداری اور آزادی اظہار رائے و مذہب کی تعریف اس طرح کرتا ہے کہ ''عربوں کے دور حکومت کی پہلی صدی میں کلیساؤں اور گرجا گھروں کو ایسی آزادی مذہب ملی کہ اس سے پہلے بوزنطین حکومت کے دور میں صدیوں تک یہ چیز ناپید تھی۔ وہ اپنے مذہبی فرائض کی ادائیگی میں اب بالکل آزاد تھے۔ ۳۲

حریت فکر و عمل کے یہ حالات محض خلفائے راشدین کے دور تک ہی محدود نہ تھے۔ بلکہ اس کی جھلک ہمیں مسلمانوں کی تاریخ کے ہر دور میں ملتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بعد کے حکمرانوں میں اختلاف برداشت کرنے کی وہ روح باقی نہ رہی جو خلفائے راشدین کے دور میں ملتی ہے۔ لیکن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس معاملہ میں کسی قدر انحطاط کے باوجود جرأت اظہار اور احترامِ اختلاف رائے کی جو مثالیں ہمارے ہاں ملتی ہیں وہ اس امر کا ثبوت ہیں کہ مسلمان اپنے حق سے کبھی کلیتاً دستبردار یا محروم نہیں ہوئے اور نہ ہی انہوں نے بالعموم کسی کو محروم کرنے کی کوشش کی ہے۔ مؤرخینِ اسلام اس بات پر متفق ہیں کہ عملی اعتبار سے حضرت امیر معاویہؓ ایک نہایت کامیاب حکمران تھے۔ ان کی کامیابی کا راز یہ نہیں تھا کہ انہوں نے اپنے ماتحت علاقوں میں اختلاف کو سرے سے مٹا دیا تھا بلکہ ان کی کامیابی کا راز سیاسی تدبر تھا کہ انتہائی ناموافق بات کو بھی انتہائی تحمل کے ساتھ سن سکتے تھے۔ ابن قتیبہ لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک شخص نے امیر معاویہؓ سے سخت کلامی کی۔ انہوں نے اس سے درگزر کیا۔ ان سے کہا گیا کہ آپ ایسے (برے) آدمی سے درگزر کر رہے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں لوگوں کے درمیان اور ان کی زبان کے درمیان حائل نہیں ہوتا جب تک وہ ہمارے اور ہماری سلطنت کے درمیان حائل نہیں ہوتے۔ ۳۳

حجاج بن یوسف بنوامیہ کا ظالم ترین حکمران تھا۔ اس نے ایک شخص سے پوچھا۔ کیا تم محمد بن یوسف کو جانتے ہو؟ اس نے کہا کیوں نہیں جانتا۔ حجاج نے کہا مجھے اس کے کردار کے بارے میں بتاؤ۔ اس نے جواب دیا۔ وہ تو بڑا ہی بد آدمی ہے، اللہ اور اس کے احکام سے سرتابی میں یکتا ہے۔ حجاج کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا اور کرخت آواز میں بولا۔ کم بخت تجھے معلوم نہیں وہ میرا بھائی ہے۔ اس نے اطمینان سے جواب دیا۔ ہاں ہاں! جانتا ہوں۔ مگر کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ میرا رب ہے اور خدا کی قسم وہ مجھے اس سے زیادہ محبوب و مطلوب ہے جتنا تجھے تیرا بھائی۔ ۳۴ یعنی باوجود حکمرانوں کی سخت گیری کے، اپنی رائے کے اظہار میں مسلمانوں نے کبھی اپنے آپ کو کسی کا پابند نہیں سمجھا۔

بنوامیہ نے خوارج اور شیعہ دونوں گروہوں کے ساتھ جنگ کی۔ یہ دونوں اس دور کی سیاسی پارٹیاں تھیں۔ ان سیاسی جماعتوں کے علاوہ بنوامیہ نے مذہبی جماعتوں اور فکری گروہوں کو کچھ نہیں کہا۔ چنانچہ اس دور میں مرجئہ، وعیدیہ، معتزلہ وغیرہ کے نام سے کئی مذہبی گروہ وجود میں آئے اور اسلام کے اندر نئی نئی عقلی بحثوں کا آغاز ہوا۔ حکمران خاندان نے بالعموم ان مذہبی بحثوں سے کوئی سروکار نہ رکھا۔ ابتدائے اسلام میں جن عقلی بحثوں میں نہ الجھنے کا درس دیا گیا تھا، اس دور میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسلمانوں کے چند گروہوں نے انہی مسائل میں اپنے خیالات کا دل کھول کر اور پوری آزادی کے ساتھ اظہار کیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بہت سارے غیر اسلامی اور عجمی افکار وعوامل کارفرما ہو گئے تھے۔

ڈاکٹر عبدالخالق اور یوسف شیدائی اپنی کتاب ''مسلم فلسفہ'' میں تحریر کرتے ہیں کہ ''مختلف عمرانی، نفسیاتی اور جغرافیائی عوامل کے زیر اثر مسلمانوں میں فلسفیانہ رجحانات فروغ پانے لگے۔ سب سے قوی وجہ یہ تھی کہ مختلف اقوام وملل اور ادیان و مذاہب کے لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہو رہے تھے جو اپنے ساتھ موروثی نظام ہائے فکر لے کر آئے تھے۔ وہ عقائد اسلامی کی تعبیر اپنے اپنے مخصوص نقطہ ہائے نظر کے تحت کرنے لگے۔ اور مختلف پیش آمدہ مسائل کے بارے میں اظہار خیال کرتے وقت اپنی ذہنی افتاد اور میلان طبع کے زیر اثر نئی نئی توجیہیں کرنے لگے۔ یوں جداگانہ مکاتیب فکر کا آغاز ہوا۔''۳۵

بنو امیہ کے حکمرانوں نے خصوصی طور پر مذہبی معاملات میں اظہار رائے کی مکمل آزادی دے رکھی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اس دور میں نئی نئی فکری جماعتیں اور عقائد ظہور پذیر ہوتے رہے۔ چنانچہ اسی دور میں حریت فکر جو کہ خالصتاً ایک مثبت قدر ہے، منفی رجحانات کے زیر اثر آتی چلی گئی۔ بعد ازاں مسلمانوں کا یونانی علوم سے تعارف اور یونانی فکر وفلسفہ کا عربی زبان میں ترجمہ بھی اس روش کے پروان چڑھانے میں قوی محرک ثابت ہوا۔

علامہ عبدالوحید خان مسلم معاشرے پر عجمی اثرات کے حوالے سے تجزیہ کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ ''اسلام میں ایرانی، شامی، نصرانی، رومانی اور قبطی وغیر مختلف اقوام کے افراد داخل ہوئے تھے اور یہ ناممکن تھا کہ یہ سب اپنے ان موروثی عقائد سے پاک ہو کر، جن پر صدیوں سے ان کا خاندان عمل پیرا چلا آ رہا تھا، اسلام کے صحیح منشا اور حقیقت کو سمجھیں۔ بس وہ اپنی آبائی ذہنیت کو اسلامی تعلیمات کے سمجھنے اور عمل کرنے میں داخل کئے بغیر نہ رہ سکے''۔۳۶

عجمی اثرات اور مختلف افکار سے متاثر اسلامی معاشرے کا تذکرہ شبلی نعمانیؒ اس طرح سے کرتے ہیں کہ ''ایک ہی صدی کے اندر اندر گوناگوں خیالات کا سیلاب آ گیا جو لحظہ بہ لحظہ چڑھتا جاتا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھا اور جس کی بدولت بیسیوں نئے نئے فرقے قائم ہوتے جاتے تھے۔ یہ فرقے اگرچہ اعتقادات میں مختلف تھے تاہم ہر فرقہ کو عام آزادی تھی۔ ہر فرقہ جس طرح اور جس ترتیب سے اپنے اعتقادات وخیالات کو پھیلانا چاہتا تھا، پھیلا سکتا تھا''۔ ۳۷

اموی حکومت نے مسلمانوں کو جو مذہبی آزادی دے رکھی تھی اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ حکمران خاندان نے سرکاری طور پر کسی خاص مذہبی نقطہ نظر کو اپنی پالیسی قرار نہیں دیا تھا۔ وہ محض سیاسی طور پر لوگوں کو اپنے ماتحت رکھنا ضروری خیال کرتے تھے۔ اس لیے مسلم گروہوں کے مذہبی عقائد ونظریات سے تقریباً بے نیاز تھے۔ لیکن جب دوسری صدی ہجری میں اموی خاندان کا تختہ الٹا دیا گیا اور عباسی خاندان نے عنان حکومت سنبھالی تو انہوں نے اپنے آپ کو مذہب کا ترجمان بھی قرار دیا۔ جس کا نقصان یہ ہوا کہ سیاسی امور کے ساتھ ساتھ مذہبی امور میں بھی مسلمانوں کی آزادی اظہار رائے پر کسی حد تک پابندیاں لگ گئیں۔ دولت عباسیہ کے حکمران یہ خواہش رکھتے تھے کہ لوگ ان کی پسند کے مطابق ہی عقائد ونظریات بھی رکھیں کیونکہ وہ اپنی سیاسی قیادت کے ساتھ ساتھ مذہبی سیادت بھی تسلیم کروانا چاہتے تھے۔ لہذا وہ بڑے بڑے علماء وفقہا کی حمایت حاصل کرنا ضروری خیال کرتے تھے۔ خلیفہ ابوجعفر منصور نے امام ابوحنیفہؒ کو منصب قضاۃ پیش کیا تا کہ کسی طرح اس کو اور اس کی حکومت کو ایک بڑے فقیہہ اور عالم کی حمایت حاصل ہو سکے۔ امام ابوحنیفہؒ نے منصور کے خلاف خروج کی کھلم کھلا حمایت کی تھی۔ جس کا منصور کو رنج تھا لیکن وہ اس کا بدلہ سختی کا برتاؤ کر کے نہیں لے سکتا تھا کیونکہ ایسا کرنا خود اس کی حکومت کے لیے خطرناک ہو سکتا تھا۔

سید مودودی لکھتے ہیں کہ ''اسے (منصور کو) معلوم تھا کہ ایک امام حسینؓ کے قتل نے بنوامیہ کے خلاف مسلمانوں میں کتنی نفرتیں پیدا کر دی تھیں اور اس کی بدولت ان کا اقتدار کسی آسانی سے اکھاڑ پھینکا گیا۔ اس لیے وہ انہیں (امام ابوحنیفہؒ کو) مارنے (یا سختی کرنے) کی بجائے سونے کی زنجیروں میں باندھ کر اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرنا زیادہ بہتر سمجھتا تھا۔ اس نے ان کے سامنے بار بار قضاۃ کا منصب اس نیت سے پیش کیا۔ یہاں تک کہ انہیں تمام سلطنت عباسیہ کا قاضی القضاۃ مقرر کرنے کے پیشکش بھی کی۔ مگر وہ (امام ابوحنیفہؒ) ایک مدت تک طرح طرح کے حیلوں سے اسے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ٹالتے رہے''۔۳۸ منصور کے بار ہا اصرار کے باوجود جب امام صاحب نے صاف انکار کر دیا تو بالآخر منصور بھی سختی پر اتر آیا۔

سید مودودیؒ مزید تحریر کرتے ہیں کہ ''جب منصور کو یقین ہو گیا کہ یہ شخص اس سنہری پنجرے میں بند ہونے کے لیے تیار نہیں تو وہ عریاں انتقام پر اتر آیا، انہیں کوڑوں سے پٹوایا، جیل میں ڈال کر کھانے پینے کی سخت تکلیفیں دیں، پھر ایک مکان میں نظر بند کر دیا جہاں بقول بعض طبعی موت سے اور بقول بعض زہر سے، ان کی زندگی کا خاتمہ ہو گیا۔۳۹

یعنی باجود عباسی حکمرانوں کی سختی اور مذہبی نارواداری کے حریت فکر کے علمبردار ہر دور میں پیدا ہوتے رہے جنھوں نے قید و بند کی صعوبتوں کی بھی کوئی پرواہ نہیں کی۔

ایک دفعہ خلیفہ ہارون الرشید خطبہ دے رہا تھا کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا ''خدا کی قسم! تم نے مال کی تقسیم برابر کی نہ عدل وانصاف سے کام لیا، بلکہ اس کی بجائے فلاں فلاں برائیاں کیں''۔ ہارون نے اس کی گرفتاری کا حکم دے دیا۔ نماز کے بعد قاضی ابو یوسفؒ کو طلب کیا گیا۔ ہارون نے ان سے کہا کہ اس شخص نے آج ایسی گفتگو کی ہے کہ اس سے پہلے کسی نے نہیں کی وہ (ہارون) اس وقت غصے میں تھا اور گرفتار ہونے والا شخص جلادوں کے درمیان کھڑا ہوا تھا۔ قاضی صاحب نے نبی اکرمؐ کے اسوہ حسنہ اور خلفائے راشدین کے طرز عمل کی مثالیں پیش کر کے بڑی جرأت سے کہا۔ ''آپ اسے سزا نہیں دے سکتے''۔ اسوۂ حسنہ کا حوالہ سامنے آتے ہی ہارون کا غصہ جاتا رہا اور اس نے اس شخص کو فوراً چھوڑ دینے کا حکم دیا۔۴۰

دوسری صدی ہجری کی ابتداء سے ہی مسلمانوں کا تعارف یونانی فلسفہ سے ہوا۔ یہ فلسفہ محض چند خیالات وقیاسات کا مجموعہ اور الفاظ کا ایک طلسم تھا جس کے پیچھے کوئی حقیقت واصلیت نہ تھی۔ جب یونانی وسریانی کتابوں کے تراجم ہوئے اور قدیم مذاہب وممالک کے علماء ومتکلمین سے اختلاط ہوا تو امت کے وہ گروہ جو جلد متاثر ہونے کی قابلیت رکھتے تھے اور جن کی ذہانت میں گہرائی اور پختگی سے زیادہ سطحیت اور جدت تھی، اس طرز فکر اور طریقہ بحث سے متاثر ہوئے۔ اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات، ان کے باہمی تعلق، کلام الٰہی، رؤیت باری تعالیٰ، مسئلہ عدل، تقدیر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور جبر واختیار وغیرہ کے متعلق ایسی بحثیں اور مسائل پیدا ہو گئے جو نہ دینی حیثیت سے ضروری تھے نہ دنیاوی حیثیت سے مفید۔ بلکہ امت کی وحدت اور مسلمانوں کی قوت کے لیے مضر تھے۔ دینی فلسفیوں کے اس گروہ کی امامت معتزلہ کر رہے تھے جو اپنے وقت کے ''روشن خیال'' عالم اور پرجوش متکلم تھے۔ انہوں نے علمی وعقلی بحثوں کو کفر وایمان کا معیار بنا دیا۔ ہارون الرشید کے دور خلافت تک معتزلہ کو عروج حاصل نہیں ہوا۔ یا یوں کہنا چاہیے کہ سرکاری سرپرستی حاصل نہیں ہوئی۔ مامون کے زمانہ میں، جو یونانی فلسفہ اور عقلیت سے مرعوب تھا، معتزلہ کو عروج حاصل ہوا اور مذہب اعتزال کو حکومت وقت کی سرپرستی حاصل ہو گئی۔ پھر کئی سال تک مذہب اعتزال کا ڈنکا بجتا رہا۔ معتزلہ نے سرکاری سرپرستی میں اپنے نظریات کے فروغ کے لیے جبر کا راستہ بھی اختیار کیا مگر ابوالحسن علی اشعریؒ نے معتزلہ کے افکار ونظریات کا ان ہی کے میدان میں زبردست مقابلہ کیا۔ یہاں سے اشعری مکتب فکر کی بنیاد پڑی جو بعد میں اشاعرہ کہلائے۔ یہ گروہ نسبتاً مسلک اعتدال کا حامل تھا۔

علامہ اقبالؒ معتزلہ واشاعرہ کے زوال وعروج کے بارے میں لکھتے ہیں کہ '' خاندان عباسیہ کے ابتدائی خلفاء کی سرپرستی میں عقلیت اسلامی دنیا کے عقلی مراکز میں پھلتی پھولتی رہی۔ لیکن نویں صدی عیسوی کے نصف اول میں اس کو ایک زبردست ردعمل سے دوچار ہونا پڑا۔ جس کا پرجوش علمبردار الاشعریؒ (تاریخ ولادت ۸۷۳ء) تھا۔ اس نے علماء عقلیت (معتزلہ) سے تعلیم پا کر خود انہی کے طریقوں سے ان کی اس عظیم الشان عمارت کو منہدم کرنے کی کوشش کی جو بڑی محنت سے تیار کی گئی تھی۔ بصرہ کے مکتب اعتزال کے نمائندے الجبائی کا شاگرد تھا۔ جس کے ساتھ اس نے کئی مناظرے کیے اور بالآخران مناظروں کی وجہ سے ان کے دوستانہ تعلقات منقطع ہو گئے اور شاگرد نے معتزلہ کے مسلک کو خیرباد کہہ دیا''۔[۱۴۱]

دور عباسیہ میں بالعموم اور مامون عباسی کے دور سے آگے بالخصوص، اظہار رائے کی آزادی کو بڑی سختی سے کچلا گیا۔ اور معتزلہ کے سرکاری سرپرستی کے دور میں مذہبی آزادی اور افکار ونظریات پر پابندی لگا دی گئی۔ اس نئی مذہبی پالیسی کی زد میں امام احمد بن حنبلؒ جیسا جلیل القدر امام بھی آیا۔ جب مامون نے خلق قرآن کے نظریہ کو بزور لوگوں پر تھونپنا چاہا تو امام احمد بن حنبلؒ نے اس کی سخت مخالفت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی۔امام احمد بن حنبلؒ کو خلق قرآن کا عقیدہ تسلیم نہ کرنے کی پاداش میں جس ابتلاء سے گزرنا پڑا اور جس انداز سے وہ اپنے موقف پر ڈٹے رہے، حریت فکر کے نام لیواؤں کے لیے مستقل مزاجی کا آنکھیں کھول دینے والا واقعہ ہے۔امام موصوف نے ظلم وتشدد کے پہاڑ توڑے جانے کے، باوجود غلط عقائد کی مذمت کی اور تاریخ اسلامی میں آزادی فکر کا عظیم باب رقم کر گئے۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی نے امام احمد بن حنبلؒ کی استقلال وثابت قدمی کی کہانی پر بڑی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔اس کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

''مامون نے خلق قرآن کے مسئلہ پر اپنی پوری توجہ مرکوز کر دی۔۲۱۸ھ میں اس نے والی بغداد اسحاق بن ابراہیم کے نام یکے بعد دیگر تین خطوط روانہ کیے۔جس میں تمام لوگوں سے عقیدہ خلق قرآن کو تسلیم کرانا ضروری قرار دیا اور اسحاق کو لکھا کہ جو لوگ اس عقیدہ کو نہیں مانتے انہیں پابجولاں اس کے پاس بھیج دیا جائے۔بالآخر بغداد کے تمام علماء وعوام نظریہ خلق قرآن کو تسلیم کر لیا سوائے چار لوگوں کے۔امام احمد بن حنبلؒ، سجادہ، قواریری اور محمد بن نوح۔ان چاروں کو بیڑیوں اور ہتھکڑیوں میں مامون کی طرف روانہ کر دیا گیا۔دوسرے دن سجادہ نے اور تیسرے دن قواریری نے اپنی رائے سے رجوع کر لیا۔راستہ میں محمد بن نوح کا انتقال ہو گیا۔اسی دوران مامون کے انتقال کی خبر پہنچی اور امام صاحب کو بغداد واپس بھیج دیا گیا۔مامون نے اپنے جانشین معتصم کو وصیت کی تھی کہ وہ قرآن کے بارے میں اس مسلک اور عقیدہ پر قائم رہے اور اسی کی پالیسی پر عمل کرے۔معتصم کے دور میں نظریہ خلق قرآن کے ابطال، عقیدہ صحیحہ کے اظہار واثبات اور حکومت وقت کے مقابلہ کی ذمہ داری تنہا امام احمد بن حنبلؒ پر تھی۔امام احمد کو معتصم کے سامنے پیش کیا گیا اور ان کو عقیدہ خلق قرآن کے انکار اور اپنے موقف پر اصرار کی وجہ سے ۲۸ کوڑے لگائے گئے۔ایک تازہ دم جلاد صرف دو کوڑے لگاتا تھا، پھر دوسرا جلاد بلایا جاتا تھا۔امام احمدؒ ہر کوڑے پر فرماتے تھے کہ میرے سامنے اللہ کی کتاب یا اس کے رسول کی سنت سے کچھ پیش کرو تو میں اس کو مان لوں۔تقریباً اٹھائیس مہینے تک آپ کو حبس وقید میں رکھا گیا اور کل ۳۳ یا ۳۴ کوڑے لگائے گئے۔اس دوران امام کو روزے کی حالت میں بھی کوڑے مارے گئے۔لوگوں نے امام صاحب کو سمجھانے کی کوشش کی کہ جان بچانے کے لیے عقیدہ کا اقرار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کر لینے کی گنجائش موجود ہے لیکن آپ نہ مانے۔ اور حریت فکر کے اظہار میں انتہا درجہ کی مستقل مزاجی کا ثبوت دیا۔ امام کی بے نظیر ثابت قدمی اور استقامت سے یہ فتنہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا اور مسلمان ایک بڑے دینی خطرے سے محفوظ ہو گئے۔"۴۲

مامون، معتصم اور واثق اگر خود صرف اپنے طور پر قرآن مجید کے مخلوق ہونے پر یقین رکھتے تو شاید امام احمد بن حنبلؒ کو کوئی اعتراض نہ ہوتا۔ لیکن جب انھوں نے اس نظریہ کو بزور رائج کرنا چاہا تو امام صاحب بھی اس راستے کو حق کا راستہ سمجھتے ہوئے دین متین کے صحیح عقائد کی حفاظت کے لیے اظہار رائے کی آزادی کا علم لے کر ڈٹ گئے۔ اور بالآخر فتح انھی کی ہوئی۔ اور انجام کار واثق کو اپنے موقف سے دستبردار ہونا پڑا۔

دراصل مسلمانوں کے عقائد اور ایمانیات کو معتزلہ اور ان جیسی عصری تحریکات کے منفی تصور حریت فکر کے سبب جن افکار و نظریات کا سامنا کرنا پڑا وہ وقتی طور پر تو ایک شاید یلغار کی صورت اختیار کر گیا۔ مگر علماء، محدثین اور فقہاء میں سے حریت فکر کے حقیقی علمبرداروں نے علمی جدوجہد کے ذریعے آزادی کے ان منفی تصورات کا راستہ روک دیا۔ اس سے یہ نہیں سمجھ لینا چاہیے کہ حریت فکر کے سرچشمے بند کر دیئے گئے اور عیسائیت کی مذہبی قیادت کی طرح پاپائیت اپنا لی گئی۔ بلکہ اس ساری جدوجہد کے ذریعے سے تصور حریت کو حد اعتدال اور توازن سے آشنا کیا گیا۔ جو فطرت انسانی کے عین مطابق ہے۔ تاریخ اسلام گواہ ہے کہ اسلام نے ہمیشہ حریت فکر کے پودے کی آبیاری کی ہے اور قرآن و حدیث میں بار بار تعقل، تذکر، تفکر اور تدبر جیسی صفات کی تاکید کر کے فکر انسانی کی نئی راہیں متعین کی ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مصادر و مراجع

۱۔ نعیم احمد، تاریخ فلسفہ یونان، علمی کتاب خانہ لاہور، ۱۹۹۴ء، ص ۸۰

۲۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، انتشارات مصطفوی ایران، ۱۳۶۸ھ، ج ۱، ص ۲۸۴۔۲۸۵

۳۔ ابن ماجہ، محمد بن یزید القزوینی، السنن، دار الکتب العلمیہ بیروت، س ن، کتاب الفتن، باب الامر بالمعروف والنہی عن المنکر، ج ۲، ص ۱۳۶۷۔

۴۔ الخطیب التبریزی، محمد بن عبداللہ، مشکوۃ المصابیح، دار الفکر بیروت، ۱۹۹۱ء، کتاب الرقاق، باب فضل الفقراء۔۔۔الخ، جلد ۳، ص ۱۲۱

۵۔ نعیم صدیقی، محسن انسانیت، اسلامک پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۸۹ء، ص ۱۵۰۔۱۵۱

۶۔ ابن کثیر، عماد الدین، البدایۃ والنھایۃ، مکتبۃ المعارف بیروت، ۱۹۶۶ء، ج ۳، ص ۲۶۷

۷۔ البخاری، کتاب الطلاق، باب شفاعۃ النبیؐ فی زوج بریرۃ، ج ۶، ص ۱۷۲

۸۔ السیرۃ النبویۃ، ج ۳، ص ۶۷

۹۔ مسند احمد، ج ۷، ص ۱۷

۱۰۔ محمد حسین ہیکل، حیاۃ محمدؐ (مترجم امام خان نوشہروی)، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، ۱۹۵۵ء، ص ۴۸۶

11. Hamidullah, M., The first written consititution in the world, Ashraf press Lahore. 1975, P-48.

۱۲۔ البلاذری، احمد بن یحییٰ، فتوح البلدان، مکتبۃ النھضۃ المصریۃ قاھرہ، ۱۹۵۶ء، ج ۱، ص ۷۷

۱۳۔ البدایۃ والنھایۃ، ج ۴، ص ۲۹۵

۱۴۔ ابن سعد، محمد، الطبقات الکبریٰ، دار الفکر بیروت، ۱۹۹۴ء، ج ۲، ص: ۱۶۹۔۱۷۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۵۔ خورشید احمد فاروق، حضرت ابوبکر صدیق کے سرکاری خطوط، ادارہ اسلامیات لاہور، ۱۹۷۸ء، ص ۸۵

۱۶۔ ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم، کتاب الخراج، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی، ۱۹۸۷ء، ص ۱۴۷

۱۷۔ البدایۃ والنہایۃ، ج ۴، ص ۳۶۰

۱۸۔ ثناء اللہ پانی پتی، تفسیر مظہری، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، ۱۹۸۰ء، ج ۵، ص ۳۱۶

۱۹۔ الطبقات، ج ۲، ۲۵۲

۲۰۔ کتاب الخراج، ص ۷۳

۲۱۔ الطبری، محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، مطبعۃ الاستقامہ قاہرہ، ۱۹۳۹ء، ج ۳، ص ۱۰۵

۲۲۔ القرآن الحکیم، (النساء) ۴: ۲۰

۲۳۔ ابن کثیر، عماد الدین، تفسیر القرآن العظیم، المکتبۃ الملکیۃ، م ن، ۱۹۴۸ء، ج ۱، ص ۴۶۸

۲۴۔ شبلی نعمانی، الفاروق، مکتبہ رحمانیہ لاہور، س ن، ص ۲۲۴

۲۵۔ عباس محمود العقاد، العبقریات الاسلامیۃ، دار الآداب بیروت، ۱۹۶۶ء، ص: ۴۳۸

۲۶۔ الطبقات، ج ۲، ص: ۹۰

۲۷۔ العبقریات الاسلامیہ، ص ۵۷۱

۲۸۔ فتح الباری، ج ۲، ص ۱۵۰

۲۹۔ البدایۃ والنہایۃ، ج ۷، ص ۲۳۸

30. Maududi, A.A., Islamic Law and constitution. Islamic publications Lahore. 1980, P-250

۳۱۔ السرخی، المبسوط، مطبعۃ السعادۃ مصر، ۱۳۲۴ھ، ج ۱۰، ص ۱۲۵

32. Arnold, T.W., The preaching of Islam, Sh.Asharaf publications Lahore. 1961, P-56.

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۳۳۔ ابن قتیبہ، عیون الاخبار، القاہرہ، ۱۳۲۵ھ، ج ا ص ۲۸۳

۳۴۔ رئیس احمد جعفری، اسلامی جمہوریت، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، ۱۹۶۸ء، ص ۱۶۵

۳۵۔ عبدالخالق، یوسف شیدائی، مسلم فلسفہ، عزیز پبلشرز لاہور، ۱۹۸۴ء، ص ۲۷۔۲۸

۳۶۔ عبدالوحید خان، مسلمانوں کے عروج و زوال کی داستان، دوست ایسوسی ایٹس لاہور، ۱۹۹۶ء، ص ۴۱۶

۳۷۔ شبلی نعمانی، علم الکلام اور الکلام، نفیس اکیڈمی کراچی، ۱۹۷۹ء، ج ا ص: ۱۱۹

۳۸۔ مودودی، ابوالاعلی سید، خلافت وملوکیت، ادارہ ترجمان القرآن لاہور، ۱۹۹۴ء، ص ۲۶۰

۳۹۔ ایضاً، ص ۲۶۱

۴۰۔ نجات اللہ صدیقی، اسلام کا نظام محاصل، (اردو ترجمہ کتاب الخراج)، مکتبہ چراغ راہ کراچی، ۱۹۶۶ء، ص ۵۳

۴۱۔ اقبال، علامہ محمد، فلسفہ عجم (مترجم میر حسن الدین) نفیس اکیڈمی، کراچی، ۱۹۸۴ء، ص ۱۷

۴۲۔ ندوی، ابوالحسن علی، تاریخ دعوت وعزیمت، مجلس نشریات اسلام کراچی، ۱۹۶۹ء، تلخیص از ص ۹۶۔۱۰۰

☆☆☆☆☆☆☆☆

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عربی مقالہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com